© rasailojaraid.com

ہارون الرشید

ختم نبوت کے جاں نثار

میں برادرم محمد طاہر عبدالرزاق کی دل شکنی کا مرتکب ہوا اور تادیر انہیں منتظر رکھا۔ اس نجیب اور وضع دار آدمی کو جو میرے گھر میں نجات کی نوید اور رحمت کی کرن بن کے آیا ختم نبوت کے موضوع پر اکیس عدد کتابوں کا تحفہ اٹھائے وہ غریب خانے میں داخل ہوا اور اسے منور کر دیا۔ پھر پہلی ہی ملاقات میں برادرانہ بے ساختگی کے ساتھ اس نے فرمائش کی کہ میں اس کی تازہ کتاب "ختم نبوت کے جاں نثار" کا دیباچہ لکھوں۔

محمد طاہر عبدالرزاق ایک عجیب آدمی ہے۔ پیشے کے اعتبار سے بینکر، مگر روپے پیسے سے نام کو کوئی دلچسپی نہیں۔ وہ اپنی کتابوں کی رائلٹی وصول نہیں کرتا اور ہر کتاب کے پہلے ورق پہ لکھ دیتا ہے "ہر مسلمان یہ کتاب چھاپ سکتا ہے۔ مصنف کو مطلع کر دیا جائے تو نوازش ہو گی"۔

محمد طاہر عبدالرزاق آئے اور چلے گئے مگر مجھے جذبات کے ختم نہ ہونے والے بھنور میں چھوڑ گئے۔ اللہ اللہ یہ معمولی محرر اتنا معتبر کیسے ہو گیا کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع میں لکھی جانے والی کتاب پہ اظہار خیال کرے۔ عالم دین تو کجا وہ ڈھنگ کا ایک طالب علم بھی نہیں۔

ایک کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری شب گزرتی گئی۔ اسلام آباد سے ریاض، ریاض سے نیویارک، نیویارک سے جدہ، جدہ سے اسلام آباد۔ جب بھی ارادہ کیا خود کو سبک اور شرمسار پایا۔ اس کے سوا کہ میں بھی انہی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیوا ہوں، کوئی جواز اور ہنر نہیں رکھتا کہ زبان کھولنے کی جسارت کروں مگر جناب طاہر کو اصرار ہے اور بڑا ہی شدید اصرار۔

مکرم و محترم ڈاکٹر محمود غازی سے کہا ہوتا۔ جسٹس تقی عثمانی یا مفتی نظام الدین سے التجا کی ہوتی۔ سید عطاء اللہ شاہ کے خاندان میں حاضر ہوئے ہوتے۔ اس غریب پہ یہ بوجھ کیوں لاد دیا۔

جگر مراد آبادی کی قبر کو اللہ نور سے بھر دے۔ مشاعرے کی شب علی گڑھ یونیورسٹی کے طالب علم شوخی پر اتر آئے اور غزل کے شاعر سے نعت کی فرمائش کر دی۔ شاعر نے بچ نکلنے کی بہت کوشش کی لیکن علی گڑھ کے نوجوانوں سے کون بچ سکتا تھا۔

کہا: ٹوپی لاؤ...... ٹوپی لائی گئی۔ ادب سے سر پر رکھی، نشست کو مؤدب کیا اور مصرعہ پڑھا،

اک رند قدح خوار اور مدحت سرکار مدینہ؟

مصرعہ دہرایا اور رو دیئے۔ پھر پڑھتے اور روتے رہے۔ ایک ایک کر کے سارے لوگ چلے گئے۔ کشادہ عمارت سے قدموں کی چاپ رخصت ہوئی مگر وہ مصرعہ پڑھتے اور روتے رہے:

ایک رند قدح خوار اور مدحت سرکار مدینہ؟

مدحت سرکار مدینہ کوئی کھیل نہیں، جو لفظ و بیان سے کھیلا جائے۔ غالب سا عبقری گنگ ہو گیا تھا اور کہا تو فقط یہ کہا:

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتم
کاں ذات پاک مرتبہ داں محمد است

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ اقبال ہی کو زیبا ہے کہ سرکار سے ہمکلام ہو:

رفعت شان رفعنا لک ذکرک دیکھے
چشم اقوام یہ نظارہ ابدتک دیکھے

یہ باوضو حفیظ تائب کو زیبا ہے کہ وہ نعت لکھیں۔ یہ عطاء اللہ شاہ بخاری کے خاندان کو سازگار ہے کہ ختم نبوت کا علم لہرائے اور اس شان سے لہرائے کہ دنیا دائم حیران رہے۔ محمد طاہر عبدالرزاق نے مجھے اپنے یقین اور یکسوئی سے حیران کر دیا اور حیران کئے رکھا۔ البتہ ایک قدر مشترک جلد ہی منکشف ہوئی کہ وہ بھی کبھی سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی دہلیز پہ دل ہار گئے تھے۔

میرا تعلق محمد طاہر عبدالرزاق کے قبیلے سے نہیں ہے، قائد اعظم سے ہے لیکن میں سوچتا ہوں کہ حریت کیش دیوبند، مجلس احرار، تحریک تحفظ ختم نبوت اور سید ابو الاعلیٰ مودودی کے بغیر کیا ہم پر لے درجے کی مفلس قوم نہ ہوتے؟

ختم نبوت پہ یوں تو ساری امت متحد ہے لیکن اللہ نے یہ اعزاز دیوبند کو عطا کیا کہ جعلی نبوت کے خلاف وہ خم ٹھونک کے لڑے اور ایسا لڑے کہ بالآخر یوم حساب آ پہنچا۔

سیاسی اور دینی تحریکوں کے طالب علم جانتے ہیں کہ یہ حضرت انور شاہ کاشمیریؒ تھے جنہوں نے اقبالؒ کو ختم نبوت پہ واضح ہونے میں مدد دی ورنہ ہمارا دردمند اور خوش گمان شاعر تو قادیانیوں کے ساتھ کشمیر کمیٹی میں شامل ہو گیا تھا۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو بھی اس راہ پہ انور شاہ کاشمیریؒ ہی لے کر آئے۔ کس کمال کے آدمی تھے اور اس کے سوا کوئی کارنامہ انجام نہ دیا ہوتا تب بھی شاید تاریخ اور قادر مطلق کی بارگاہ میں سرخرو ہوتے۔

پھر سب سے زیادہ لگن اور یکسوئی کے ساتھ کسی نے اس جہاد میں جان کھپا دی تو وہ سید صاحب تھے۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ تابناک امتی جن کی مکمل سوانح کبھی نہ لکھی جا سکے گی۔ تاریخ کی بساط پہ ایسی نادر و نایاب شخصیات کم ہی ابھرتی ہیں۔ لغات کے سانچے ان کے لئے محدود ہوتے ہیں اور ان کے ذکر میں لفظ تشنہ رہ جاتے ہیں۔

نئی نسلوں کو کیا خبر کہ یہ لوگ کیا تھے پاکستان بیسویں صدی کے عظیم ترین مدبر قائد اعظم محمد علی جناح کی قیادت اور ان کے رفیقوں کی ریاضت کا ثمر ہے لیکن وہ کون تھے جو حالات کو یہاں تک کھینچ لائے تھے۔ جو ایک صدی تک میدان میں جمے رہے۔ حتیٰ کہ استعمار کا خوف دلوں سے ڈھل گیا اور در و بام پہ آزادی کا نور جگمگا اٹھا۔ 1857ء میں پھانسیوں کو چومنے والے کون تھے؟ پھر کون تھے جنہوں نے خس و خاشاک میں آگ بھڑکائی اور شعلوں کو دامنوں سے ہوا دیتے رہے۔ آل انڈیا کانگرس اور نہ آل انڈیا مسلم لیگ۔ یہ ابو الکلامؒ تھے، دیوبند تھا، احرار تھے اور محمد علی جوہرؒ تھے، یہ عطاء اللہ شاہ بخاریؒ تھے۔

آدمی مبہوت رہ جاتا ہے، جب وہ بخاریؒ کی آواز سنتا ہے "لوگو! میں کسی کا نہیں، اپنا نہ پرایا میں صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوں۔" کہا جاتا ہے کہ برصغیر نے بخاری جیسا عوامی خطیب کبھی نہ دیکھا۔ نہیں جناب والا، دنیا کی کسی سرزمین نے کبھی نہ دیکھا۔ گاہے برطانیہ کے چرچل، گم گشتہ روم کے انطونی اور فراموش کردہ یونان کے ڈیماستھینز کے ساتھ ان کا تقابل کیا جاتا ہے۔ چرچل کی تقاریر اب بھی سنی جا سکتی ہیں۔ بخاری کے پائے کا ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آدھ جملہ شاید ہی نکل سکے۔ ڈیما ستھینز ایک کہانی ہے اور کون جانتا ہے کہ کہانی میں صداقت کتنی ہے۔ انطونی کی تقاریر شیکسپئیر کے قلم کا شاخسانہ ہے۔ کسے خبر کہ مدتوں پہلے جنگجو کے اصل الفاظ کیا تھے۔ بخاری کی آواز میں یہ انفرادیت، یہ سوز اور وارفتگی کہاں سے آ گئی تھی۔ حفیظ جالندھری نے کہا تھا کہ "وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزوں میں سے ایک باقی ماندہ معجزہ تھے"۔ ابو الکلامؒ، محمد علی جوہرؒ اور اقبالؒ عشق مصطفےٰ ہی کی کرامت تھے اور عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی۔ نصف صدی تک یہ زندہ کرامت برصغیر کے عوامی مطلع پہ فروزاں رہی۔ نہرو بہت بڑے دانشور اور گاندھی ایک عظیم لیڈر تھے۔ لیکن مرعوب دانشوروں میں سے کوئی ہاتھ اٹھائے اور جواب دے کہ کسی کو ان کے کتنے جملے یاد ہیں۔ اقبالؒ، ابو الکلامؒ، بخاریؒ اور جوہرؒ کے الفاظ زندہ رہیں گے۔ اور صدیوں بعد بھی ان کی آواز سنائی دیتی رہے گی۔

امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ میں اترے تو درجن بھر خطیبوں کو خطبہ دینے سے روک دیا مگر حسن بصری کو سنا تو نہ صرف اجازت دی بلکہ تحسین فرمائی۔ ان کے بعض مختصر خطبے تاریخ نے محفوظ کر دئیے ہیں۔ اللہ کسی کو توفیق دے تو دیکھے کہ روشنی لفظوں میں کیسے گوندھ دی جاتی ہے۔ لوگ اقتدار اور دربار سے مرعوب ہوتے ہیں تیرہ صدیوں سے حجاج کے ایک خطبے کا ذکر ہے بخدا حسن بصریؒ ان سے بہت افضل اور برتر تھے۔ حجاج میں جلال اور ہیبت بہت ہے۔ خوف زدہ کر دینے والا طنطنہ ہے اور ندرت بھی لیکن حسن بصری کا سا حسن کہاں وہ نور کہاں وہ جمال کہاں۔

دربار میں لائے گئے اور حجاج نے قتل کی دھمکی دی تو ارشاد کیا فرمایا: تم میری دنیا برباد کر سکتے ہو مگر میں تمہاری آخرت برباد کروں گا۔ اگر حسن بصری کی جگہ حجاج تلواروں کے سائے میں کھڑا ہوتا تو کیا اس کے لہجے میں لکنت اور لجاجت نہ آ جاتی؟

سچی اور اجلی روحوں کو گرمانے، دلوں کو تڑپانے اور یادوں میں برقرار رہنے والی خطابت نثار ہونے کی آرزو سے پھوٹتی ہے۔ غیرت و حمیت سے جنم لیتی ہے اور ایمان کے نور سے نشو و نما پاتی، برگ و بار لاتی ہے۔ کوئی تعجب نہیں کہ دنیا کا بہترین ادب دینی ادب ہے۔ اصحاب رسول اور تابعین کا تو ذکر ہی کیا۔ دنیا بھر کے ادیبوں کی کتابیں اٹھا لائیے اور خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے جملے ایسا ایک جملہ ہی نکال کر دکھا دیجئے "اگر کسی نے کانٹا رکھ دیا اور تم نے بھی کانٹا رکھ دیا تو یہ دنیا کانٹوں سے بھر جائے گی"۔ کیا کسی ادیب اور دانشور نے حضرت مجدد الف ثانیؒ یا شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ کے مکاتیب پڑھے ہیں۔ محمد حسین آزاد اور رشید احمد صدیقی کی نثر تو کجا غالب کی شاعری بھی شرمندہ ہو جائے۔

کوئی بولے اور جواب دے کہ ابو حامد محمد الغزالی کی تحریروں میں یہ برق سی کہاں سے چمکتی ہے۔ کوئی بتائے کہ ابوالکلامؒ اور اقبالؒ کو پڑھتے ہوئے پلکوں پہ ستارے کیوں چمک اٹھتے ہیں۔ انگریزی محمد علی جوہر کی مادری زبان نہ تھی وہ اس زبان کے ماحول میں تھوڑے ہی دن جئے پھر بھی وہ اپنے عہد کے عظیم ترین انشا پرداز مانے گئے۔ افسوس کہ لوگ غور نہیں کرتے۔ وہ غور نہیں کرتے کہ آزادؒ اور جوہرؒ تو کجا برصغیر کے غیر مسلموں میں کوئی ظفر علیؒ اور شورشؒ بھی پیدا نہ ہو سکا۔ لوگ سوچتے کیوں نہیں کہ ابوالاعلیٰ اور امین احسن اصلاحی کی نثر ایسی دلاویز کیونکر تھی۔ عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے ساتھ لوگ شب بھر جاگتے کیوں تھے۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ پہ پروانوں کی طرح نثار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیوں ہوتے تھے؟

کسی نے حضرت انور شاہ کاشمیریؒ کے بارے میں شاہ جیؒ سے سوال کیا فرمایا۔ "وہ صحابہ کے قافلے سے بچھڑ گئے تھے" کوئی چاہے تو اسے شاعری کہہ دے۔ بخدا یہ محض شاعری نہیں ہے۔ ایک صحابیؓ نے سرکار سے سوال کیا تھا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم آپ کے بھائی نہیں، فرمایا: تم تو میرے رفیق ہو، میرے بھائی تو میرے بعد آئیں گے۔ ارشاد کیا: میری امت کے علما بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں۔ افسوس کہ امت نے ان کی قدر نہ پہچانی۔ پہچان پاتی تو زوال پستی اور پسماندگی میں پڑی نہ ہوتی۔

کیسے عجیب لوگ تھے شاتم رسول کی کتاب پہ دل دکھ سے لبریز تھے، جب بخاری سٹیج پہ آئے اور حال یہ تھا کہ گھڑسوار فوج نے جلسہ گاہ کو گھیر رکھا تھا۔ فرمایا: "مسلمانو! تمہارے دامنوں کے داغ مٹنے کا وقت آپہنچا۔ آج اس جلیل القدر ہستی کی عزت معرض خطر میں ہے جس کی عطا کردہ عزت پہ تمام موجودات کو ناز ہے۔ آج ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ علیہا السلام، مفتی کفایت اللہؒ اور مولوی احمد سعیدؒ کے دروازے پر آئیں اور فرمایا: ہم تمہاری مائیں ہیں کیا تمہیں معلوم نہیں کہ کفار نے ہمیں گالیاں دی ہیں۔

"ارے دیکھو کہیں ام المومنین حضرت عائشہ علیہا السلام دروازے پر تو نہیں کھڑی ہیں؟" (کہرام مچ گیا اور مسلمان دھاڑیں مار مار کر رونے لگے)

تمہاری حالت تو یہ ہے کہ عام حالتوں میں کٹ مرتے ہو، آج عائشہ علیہا السلام اور خدیجہ علیہا السلام پریشان ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سبز گنبد میں تڑپ رہے ہیں.... ارے عائشہ علیہا السلام وہ ہیں جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حمیرا کہہ کر پکارتے تھے۔"

ڈیماستھنز؟ انطونی؟ چرچل؟ کوئی ایک جملہ تو دکھایئے۔ جن لوگوں پہ کائنات کی سب سے بڑی حقیقت نہ کھل سکی وہ کیونکر چراغ روشن کرتے۔

(انتقال سے کچھ دیر پہلے) مہاتما بدھ کے آخری خطبے کا ایک جملہ یہ ہے۔ سب چراغ بجھ جائیں گے صرف ایک چراغ جلتا رہے گا۔...... جو خلوص اور ایمان سے روشن کیا گیا۔

ازلی اور ابدی صداقت کیا ہے؟ اللہ رب العالمین اور یہ صداقت دو ستونوں پہ استوار ہے۔ کتاب اور رسالت صرف اسلام ہی نہیں تہذیب و تمدن کی ہر عمارت انہیں ستونوں پہ قائم ہے۔ اگر ان میں سے کسی ایک کو بھی مجروح کر دیا گیا تو انسان اپنی ساری متاع سے محروم ہو جائے گا۔

مرزا غلام احمد قادیانی کی سرکاری نبوت پہ بحث ہوتے ایک صدی ہونے کو آئی، تمام گوشے منور اور آشکار ہو چکے، اندھے کا کیا علاج ورنہ سامنے کا سوال یہ ہے کہ کیا کوئی پیغمبر اپنے عہد کے استعمار کا ثنا خواں بھی ہوتا ہے اور اگر ہو تو اس کا مطلب کیا ہے، سوال یہ بھی ہے کہ انگریزی حکومت نے مرزا کی سرپرستی کا فیصلہ کیوں کیا، اس لئے کہ استعمار کو اہل ایمان کی حمیت و غیرت سے خطرہ تھا، جو جہاد میں متشکل ہوتی اور پہاڑوں کو اپنی جگہ سے ہٹا دیتی ہے۔

کیا یہ انڈین نیشنل کانگریس تھی، جس کے دامن سے آزادی کا سویرا طلوع ہوا؟ مرعوب اور سطحی لوگوں کی بات دوسری ہے ورنہ کوئی بتائے کہ ۱۸۵۷ء میں جو لوگ پھانسیوں پر جھول گئے ان میں سیکولرازم کے علمبردار کتنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھے؟ وہ کون تھے جنہوں نے سامراج سے مرعوبیت تمام کر دی۔ جنہوں نے کروڑوں انسانوں کو متحرک کیا، حتیٰ کہ بساط لپیٹ دی گئی۔

ملا کو گالی ضرور دیجئے لیکن آزادی کے لئے آپ اس کی دیوانگی کے مقروض ہیں۔ انگریز اسی سے خائف تھا لہٰذا دوسری چیزوں کے علاوہ ایک جعلی نبوت اسے سازگار تھی۔ اگر قادیانیت کو نظر انداز کر دیا جاتا، جیسا کہ مرعوب دانشور قرار دیتے ہیں۔ تو نتیجہ کیا رہتا؟ سید عطاء اللہ شاہ بخاری سے سوال کیا گیا کہ قادیانیوں کے خلاف تحریک سے انہوں نے کیا حاصل کیا؟ فرمایا! "تمہاری پچھلی نسل کے بہت سے لوگ قادیانی ہوگئے لیکن ہم نے تمہیں اور تمہارے بھائیوں کو بچا لیا" ایک دوسرے موقع پر ارشاد کیا! "جعلی نبوت کے خلاف ہم نے ایک ٹائم بم نصب کر دیا ہے" سید صاحب کے انتقال کو تیرہ برس ہوئے تھے، جب یہ پیشگوئی پوری ہوئی اور ذرا غور تو کرو کس حکمران کے ہاتھوں پوری ہوئی جس کی سیاست کو ابتداء میں اس فیصلے کی مکمل سیاسی تائید حاصل تھی، افسوس کہ لوگ اللہ کی نشانیوں پر غور نہیں کرتے۔

امریکی اخبارات نے غل مچا رکھا ہے (ہمارے مرعوب دانشور انہی کا لکھا گیت گا رہے ہیں۔) کہ جنرل پرویز مشرف بنیاد پرستوں سے نمٹ نہیں سکے۔ جنرل ایک پختہ عمر آدمی تھا، جب اس نے ذوالفقار علی بھٹو کو حج کی عام اجازت دیتے، جمعہ کی چھٹی کا اعلان فرماتے، قمار بازی اور شراب نوشی پہ پابندی عائد کرتے اور قادیانیوں کو اقلیت قرار دیتے دیکھا، آخر کس چیز نے اس قہرمان سیکولر کو اس راہ پہ آمادہ کیا، کروڑوں پاکستانیوں کے اجتماعی لاشعور نے اور یہ اجتماعی لاشعور کن لوگوں نے تشکیل دیا تھا؟ اگر میرے ذرائع درست ہیں تو امریکہ بہادر دو صاحب حمیت جنرلوں کی اہم مناصب پر تقرری سے ناخوش ہے، اس کے لے پالک جنرل کو مشورہ دیتے رہے کہ وہ جماعت اسلامی کو کچل ڈالیں اور مدرسوں پہ سرکاری گرفت قائم کریں۔ تحقیر اور طعنہ زنی کا کوئی حربہ نہیں ہے جو ان کے خلاف برتا نہ جا رہا ہو۔ ختم نبوت کے مسئلے کو نظر انداز کرنے کا مطلب یہ ہوتا کہ پاکستان بلکہ امت مسلمہ کے پیکر میں کینسر کو قبول کر لیا جائے۔ اگر امت جعلی نبوت کو گوارا کر لیتی تو وہ سب دوسرے فتنے بھی برداشت کرتی تب وہ اپنی ہستی، شناخت، شخصیت اور پہچان کھو دیتی پھر کارگہ حیات میں اس کا کوئی جواز ہی باقی نہ رہتا۔

اسلام کی عمارت ختم نبوت پہ استوار ہے۔ حجاز میں فرشتے نہیں اترے تھے، ریگزار کے سرکش مکینوں نے اللہ کا پیغام ایک آدم زاد سے سنا اور ان کی روحوں کا میل دھلنے لگا۔ بیٹیوں کو زندہ گاڑ دینے والے وحشی، حیوانوں اور درختوں تک کی حفاظت کرنے لگے۔ عمر ابن خطاب تلوار تان کر نبی کو قتل کرنے نکلے تھے اور آخر میں اس حال کو پہنچے کہ کسی بھوکے جانور کو دیکھتے تو بے تاب ہو جاتے۔

سرکار ہی کے دہن مبارک اور نمونہ عمل سے روشنی پا کر خاندان کا ادارہ مقدس و محترم ٹھہرا پڑوسی اور رشتہ دار کا حق فائق ہوا، اجنبیوں اور مسافروں کی حفاظت بستیوں کی ذمہ داری قرار پائی۔ بندوں کے حقوق اللہ کے حقوق کی طرح محترم ہو گئے انسانی زندگیوں کا اکرام انہی نے قائم فرمایا۔ بندوں کو آگاہ کیا کہ ایک انسان کا قتل تمام بنی نوع انسان کا قتل اور ایک جان کی حفاظت ساری آدمیت کی حفاظت ہے۔ انہی کے قائم کردہ تمدن سے نور لے کر دوسری اقوام نے وحشت سے نجات حاصل کی۔ شہر آباد ہوئے مدرسے اور جامعات وجود میں آئیں۔ سائنسی تحقیقات کے در کھلے اور محنت کو احترام عطا ہوا۔ اللہ کی زمین پر کوئی بشر سانس نہیں لیتا، جس کی گردن پر اللہ کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان نہ ہو۔

عمارت کے سینکڑوں ستونوں میں سے کوئی ایک ستون گرانا چاہے تو لوگ اسے دیوانہ کہیں گے، پھر جو آدمیت اور تہذیب کی عالمگیر عمارت کے دو ستونوں "کتاب اور رسالت" میں سے ایک ستون کو ڈھانے پر تلا ہو؟ معراج کی شب اللہ اور بندے کے درمیان دو کمانوں سے بھی کم فاصلہ تھا اور سدرۃ المنتہیٰ سے آگے جبرائیل امین کے پر جلتے تھے۔

کمال شوق اور محبت سے محمد طاہر عبدالرزاق نے کہا، حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی نے فرمایا تھا "ختم نبوت کے نگہبان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی محافظوں میں شمار کئے جائیں گے"، جواں سال آدمی نے یہ جملہ دہرایا تو ایک عجیب سرشاری اس پہ طاری ہو گئی۔ میں نے اس پہ رشک کیا اور تادیر کیا تب دنیا کے سارے مفکر، دانشور، معلم اور رہنما اس سادہ سے آدمی کے مقابل مجھے ہیچ لگے۔

آدمی کیا ہے؟ جلد باز اور ناشکرا آدمی کیا ہے، اللہ کی کائنات میں وہ کیا معنی رکھتا ہے، اگر وہ جانوروں کی طرح کھانے پینے، اوڑھنے اور اپنا حصہ طلب کرنے میں لگا رہے، اگر وہ ازلی اور ابدی صداقتوں کا نگہبان نہ ہو۔

اسلام کی عمارت یقین، ایمان اور یکسوئی پہ استوار ہے۔ اللہ پر ایمان، نبیوں فرشتوں اور یوم آخرت پہ ایمان، شک وشبہ ژولیدہ خیالی اور پراگندہ فکری "دانشوروں" کو مبارک ہو اگر کسی کو نجات مطلوب ہے تو اسے راستی درکار ہے۔ اگر تم کائنات میں ایک زندہ انسان کی طرح جینے اور اپنا کردار ادا کرنے کے آرزو مند ہو تو محمد طاہر عبدالرزاق کی طرح ایک واضح عقیدہ اور نصب العین اختیار کرو۔ اگر تم محض تماشائی ہو، چرند اور پرند کی طرح سطحی، عارضی اور بے معنی ہو تو "دانشوروں" کے ساتھ شکوک وشبہات کی وادیوں میں بھٹکتے پھرو۔ لیکن پھر تم حشر کے میدان میں جمع کئے جاؤ گے اور تمہارے پاس ملال کے سوا کوئی اندوختہ نہ ہوگا، کیسا برا اندوختہ!

یہ سطور برادرم محمد طاہر عبدالرزاق کی کتاب پر براہ راست تبصرہ نہیں جو شاید زیادہ موزوں اور زیبا ہوتا، جیسا کہ میں نے عرض کیا غریب خانے میں امید اور امکان کا چراغ جلا کر وہ مجھے جذبات کے بھنور میں چھوڑ گئے اور بھنور میں آدمی کیلئے تیرنا مشکل ہوتا ہے، کجا کہ سیدھا تیرنا!

دل کی عمیق گہرائیوں سے میں ان کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے ایک معمولی اخبار نویس کو ختم نبوت کے عظیم موضوع پر چند سطور لکھنے کا موقع عنایت فرمایا، میرا دل ہمیشہ ان کا ممنون رہے گا۔

حکیم قاری جمیل احمد
معدہ کے السر، اعصابی و جنسی کمزوری، دائمی نزلہ اور یرقان کے یقینی علاج کے لئے تشریف لائیں۔
جمیل دواخانہ، جامع مسجد روڈ، بہار کالونی کراچی

© rasailojaraid.com